السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

ہی کےلیے پائی جاتی تھی ؟ اور دیگر خلفائے راشدین وصحابہ کرام میں نہیں پائی جاتی تھی کےلیے رواج کیا ہے اور اس لقب کے ساتھ مشہور ہوگئے ۔ کیا یہ خوبی حضرت علی اسداللہ کے خطاب اور لقب میں خوبی ہے جو حضرت علی کو اسداللہ کا خطاب کس نے دیا اور خطبہ جمعہ میں ان کو اس لقب اور وصف کے ساتھ کس زمانہ ؟ جنگل کا شیر بھی تو اللہ ہی کا شیر ہے پس کسی انسان کو اس لقب اور وصف کے ساتھ کس زمانہ سے ذکر کیا جاتا ہے ۔ حضرت علی کےلیے یہ خطاب بظاہر شیعوں کا گھڑا ہوا معلوم ہوتا ہے ؟ میر حسن شاہ یحیی گنج لکھنؤ سے ذکر کیا جاتا ہے ۔ حضرت علی

الجواب بعون الوهاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علىٰ رسول اللہ، أما بعد!

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے اور مشہور بات ہے کہ جری اور دلیر ، شجاع اور بہادر شخص کو بطور تشبیہ یا استعارہ شیر (اسد) کہا جاتا ہے (ملاحظہ ہو : بلاغت کے فن ثانی ، علم بیان کے مباحث) اور اللہ کی راہ اور اس کے دین کی نصرت وحمایت میں شجاعانہ امتیازی کام کرنے والے کو اللہ کی شیر (اسداللہ) کہا جاتا ہے ۔ اسی بنا پر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر نے جنگ حنین کے موقع پر ابوقتادہ انصاری کو اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر کہا تھا کے متعلق فرمایا ۔ چنانچہ فرمایا : ''لاہااللہ إذا لا یعمد إلی أسد من إسد اللہ، یقاتل عن اللہ ورسولہ فیعطیک سلبہ ،، (بخاری عن ابی قتادۃ 5 101 ، مسند احمد عن انس 3 19) اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت حمزہ کا ترجمہ ''اسداللہ واسد رسولہ ،، کے وصف سے شروع کیا ہے (''إن حمزة مکتوب فی السماء ، أسد اللہ وأسد رسولہ ،، (فتح الباري بحوالہ ابن ہشام (2/96) ذکر قتل حمزة 7/371) اسی حدیث کی رو سے بن سعد نے حمزہ نے اپنے اور تمام صحابہ کے متعلق فرمایا : ''خطبنا أبو بکر وکنا کالثعالب ، فما زال یشجعنا حتی صرنا کالأسود ،، (منہاج السنہ 2، طبقات ابن سعد طبع لیدن 3 8) اور اسی صفت شجاعت وجرات کو مد نظر رکھ کر حضرت انس 156)-

اس میں شک نہیں کہ جنگل کا شیر بھی اللہ ہی کا شیر ہے ۔ لیکن بعض انسانوں پر مطلق شیر یا بعض شخصیتوں پر لفظ ''شیر ،، کو اللہ کی طرف منسوب سلسلہ میں شجاعانہ امتیازی کارنامے انجام پذیر ہوئے ۔ دنیا کی سب اونٹنیاں اللہ ہی کی ہیں ۔ لیکن حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو خصوصیت کے ساتھ ''ناقۃ اللہ ،، کہا گیا ۔ دنیا کے تمام گھر اور عبادت خانے اللہ ہی کے ہیں ۔ لیکن خانہ کعبہ کو خاص طور پر '' بیت اللہ ،، کہا گیا ۔ تمام تلواریں اللہ ہی کی ہیں لیکن حضرت خالد کو سیف من سیوف اللہ کہا گیا ۔ تخصیص کو جو وجہ ان مثالوں میں ہے وہی صورت مسؤلہ میں بھی ہے ۔

کی شجاعت وجرات اور دلیری وبہادری ہے ۔ لیکن یہ سمجھنا کہ اس تلقیب وتوصیف کےلیے جس مجاہدانہ دینی شجاعت اور طبعی کو اسداللہ (شیر خدا) کہتے ہیں ان کے نزدیک اس لقب کا سبب حضرت علی جو لوگ حضرت علی یقینا بہادر اور شجاع تھے ۔ لیکن حقیقت اور وقعہ یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ میں تھی اور کسی دوسرے صحابی میں یہ خوبی نہیں تھیں قطعاً غلط اور یکسر باطل ہے ۔ حضرت علی جرات کی ضرورت ہے وہ صرف حضرت علی بھی داخل ہیں بلاشبہ اس وصف میں حضرات شیخین کا درجہ ہے اور بقیہ تمام صحابہ جن میں حضرت علی تھے ، ان کے بعد شجاعت میں حضرت میں عمر میں سب سے زیادہ جری اور شجاع حضرت ابو بکر کے بعد صحابہ کرام سے کمتر ہیں ۔ شجاعت کی جو صورتیں ذکر کی جاتی ہیں :

(1) ۔ خطرات ومصائب میں دل کا قوی اور ثابت ومطمئن رہنا اور ارادہ کی پختگی او صبر واستقلال وعدم جزع

(1) میدان جنگ میں زیادہ سے زیادہ دشمنوں کو قتل کرنا ۔ ظاہر ہے کہ پہلی قسم شجاعت کی اعلی ترین صورت ہے اور اس میں حضرت ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کی کوئی صحابی بھی ہمسر نہیں کرسکتا ۔ جنگ بدر ، آں حضرت ﷺ کی وفات تجہیز جیش اسامہ ۔ مرتدین سے جہاد کے مواقع میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جس بے نظیر قلبی شجاعت اور صبر وسکون اور اطمینان وقوۃ یقین اور ارادہ کی پختگی کا اظہار کیا ہے ، دنیائے اسلام اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتی ۔ رہا دعوی کہ حضرت علی دینی جہاد میں تمام صحابہ سے اعلی وارفع تھے اور ان کے جیسے مجاہدانہ کارنامے کسی صحابی سے نہیں صادر ہوئے تو یہ بھی قطعاً غلط اور لغو ہے ۔ جہاد کی تین قسمیں ہیں :

(1) ۔ زبانی اور تبلیغی جہاد

(2) ۔ میدان جنگ میں جنگی تدبیروں اور مشوروں اور مشوروں کے ذریعہ جہاد

(3) ۔ آلات جنگ کے ذریعہ جسم کا جہاد

پہلی دونوں صورتیں جہاد کی اعلی اور افضل ترین قسمیں ہیں ۔ اور تیسری قسم جہاد کا معمولی مرتبہ ہے ۔ ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ آں حضرت ﷺ سے بڑھ کر شجاع اور جری اور آپ سے زیادہ مجاہد فی الدین ہونا تو درکنار ، اس وصف میں آپ کا کوئی برابر بھی نہیں ہے ۔ لیکن کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ساری عمر میں صرف ایک دشمن اسلام ابی بن خلف کو جنگ احد کے موقعہ پر قتل کیا ہے ۔ معلوم ہوا کہ جہاد بالید جہاد کی ایک ادنی ترین نوع ہے ۔ البتہ جہاد کی پہلی دونوں قسموں کی ساتھ آں حضرت ﷺ بدرجہ اتم متصف تھے ۔ اور آپ کا شریک وسہیم نہیں ہے ۔ اور تیسری قسم میں بھی حضرت علی تنہا ومنفرد نہیں ہے اس وصف میں حضرات شیخین آپ ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک رہے اور ان کے ساتھ میں علم رہتا اور کسی جنگ میں ان کا کے برابر ہی نہیں بلکہ ان سے بڑھ کر ہیں ۔ اگر حضرت علی بھی ان کے شریک ہیں اور بہت سے صحابہ تو حضرت علی

فرار منقول نہیں ، توحضرات تیخین رضی اللہ عنہما بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے اورکسی معتبر روایت سے ان کا فرار ثابت نہیں ۔ بلکہ حضرات حضرات تیخین رضی اللہ عنہما جن بعوث و سرایا میں
ہیں یا کے مقتولین کی تعداد زیادہ سے زیادہ گیارہ بتائی جاتی ہے ۔ ان میں بھی چھ کے متعلق اختلاف ہے کہ ان کے قاتل علی کے بعوث و سرایا سے زیادہ ہے ۔ جنگ بدر میں حضرت علی میرا بنا کر بھیجے ان کی تعداد حضرت علی
کے مقتولین کی تعداد تو بے شمار ہے ۔ عزوہ موتہ میں ان کے ہاتھ میں آٹھ تلواریں ٹوٹ کوئی اور صحابی ۔ حضرت براء بن مالک نے علی سبیل المبارزہ بلا شرکت غیرے مختلف جنگوں میں سو کافروں کو قتل کیا ۔ اور خالد بن ولید
کے مشہور امتیازی جنگی کارمے کس کو بھی یہ فخر ہے ؟ حضرت طلحہ ، زبیر ، سعد بن ابی وقاص ، حمزہ ، عبیدہ بن الحرث ، مصعب بن عمیر ، سعد بن معاذ ، ابو دجانہ ٹوٹ کر گرنے کا واقعہ کس سے پوشیدہ ہے ؟ کیا حضرت علی
کا ہمسر اور شریک و سہیم ہے ۔ سے مخفی ہیں ۔ ان میں سے ہر ایک حضرت علی

کا عمرو بن عبدود جیسی معروف شخصیت کو قتل کرنا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے ، اس واقعہ کے متعلق روایات میں جس مبالغہ سے کام لیا گیا ہے ، وہ قطعاً صحیح روایات کے خلاف ہے ۔ جنگ خندق میں حضرت علی

خیبر کے بعض قلعے عنوۃ (زبردستی) اور بعض صلحاً فتح ہوئے اور اس میں شک نہیں کہ قلعہ قموص حضرت علی کی قیادت میں فتح ہوا ، لیکن وہ محض آں حضرت ﷺ کی دعا کی برکت سے ، جس طرح اس سے پہلے دوسرے قلعے
کو یہاں بھی کوئی امتیازی شرف حاصل نہیں ہے ۔ قلعہ کے در کو جو سرتا پا پارہ جنگ تھا اور جس کو ایک روایت کو مطابق ، واقعہ کے بعد دوسرے صحابہ کی قیادت میں آنحضرت ﷺ کی برکت سے فتح ہوئے ۔ پس حضرت علی
ایک روایت کے مطابق آٹھ آدمی اور دوسری روایت کے مطابق چالیس آدمی نہ اٹھاسکے ۔ اکھاڑ کر اس سے سپر د کا کام لینے کی راویتیں بازاری قصے ہیں ۔ علامہ سخاوی نے ان روایتوں کے متعلق تصریح کر دی ہے کہ ''کلھا واھیۃ
کے مناقب میں اس جیسی بے سروپا ،، سب لغو روایتیں ہیں ۔ امام ذہبی نے اس رویت کو ''منکر ،، بتایا ہے ۔ تعجب ہے امام حاکم اور صاحب کنزالعمال اور صاحب مجمع الزوائد و صاحب اسد الغابہ پر کہ انہوں نے حضرت علی
کا مرحب یہودی کو قتل کرنا مختلف فیہ مسئلہ ہے ۔ مغازی کی معتبر ترین کتاب ہے اس میں برویت حضرت جابر و سلمہ بن سلامہ و مجمع بن حارث لغو روایتیں اپنی کتابوں میں بھر دیں ۔ مغازی موسیٰ بن عقبہ ۔ حضرت علی
کو بتایا ہے ۔ (زادالمعاد 3 341) اسی لئے ائمہ مغازی محمد بن اسحق و موسی بن عقبہ اور واقدی مرحب کا قاتل محمد بن مسلمہ ہی کو بتاتے ہیں : ''خالف ذلک أہل السیر ، فجزم ابن اسحق و موسی بن عقبۃ مرحب کا قاتل محمد بن مسلمہ
-. (والواقدي بأن الذي قتل مرحبا ، ہو محمد بن مسلمۃ ، کذاروي احمد باسناد حسن عن جابر ، وقتل إن محمد بن مسلمۃ کان بارزہ فقطع رجلیہ فاجہز علیہ علی ،، (فتح الباري 7/478

کی شرکت ثابت نہیں ہے ۔ تعجب ہے کہ ان کی شجاعت و بہادری فقط آں حضرت ﷺ کے زمانے تک کیوں رہی ۔ اور آپ ﷺ کے ارتحال آں حضرت ﷺ کے وفات کے بعد ایران اور روم کی کسی جنگ میں حضرت
کے ساتھ ان کی شجاعت کیوں ختم ہوگئی ، شجاعت و جرأت کے اظہار کا سب سے زبردست اور ضروری موقعہ وہ تھا جب بقول اخوان یوسف ، خلافت پر دوسروں نے غاصبانہ اور ظالمانہ قبضہ کر لیا تھا مگر افسوس ! شاید تقیہ کی نذر
بظاہر منصورہ و غالب تھے ، لیکن یہ محض اس وجہ سے کہ ان کی فوج کی تعداد فریق مقابل سے کئی گنا زیادہ تھی ۔ لیکن باایں ہمہ وہ ان پر پورا قابو حاصل نہ کرسکے اور یہ فتنہ آخر دم ہوگئی ہوگی ۔ جنگ جمل اور نہروان میں حضرت علی
تک دبا نہ سکے ، اور ہمیشہ ان معاملات کی وجہ سے مضطرب و پریشان و غیر مطمئن رہے ۔ اس سے ان کی جنگی تدبیروں اور سیاست میں مہارت کی حقیقت بھی واضح ہوجاتی ہے

شجاعت اور جہاد فی الدین کی ادنی ترین قسم کے اعبار سے بلاشک و شبہ شجاع اور جری تھے ۔ یہاں تک کہ دشمن بھی اس کا اقرار کرنے پر مجبور تھے ۔ چنانچہ اسید بن یاس بن زنیم پس ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ حضرت علی
: کنانی ، قریش کو ان کے خلاف ابھارتا ہوا کہتا ہے

فی کل مجمع غایۃ أخزاکم جذع ابر علی الذاکی القرح

للہ درکم لماتذکروا قدیذکر الحر الکریم ویستحی

ہذا ابن فساطمۃ الذي أفناکم ذبحا بقتلہ بعضہ لم یذبح

این الکھول واین کل دعامۃ ؟ فی المعمضلات وأین زین الأبطع ؟

لیکن جہاد بالید کی یہ خوبی ان کے ساتھ مخصوص نہیں تھی ۔ متعدد صحابہ ان کے اس وصف میں شریک ہی نہیں ، بلکہ ان سے بڑھ کر شجاع اور میدان جنگ کے مشہور شہسوار تھے ۔ اور شجاعت کی اعلی ترین صورت اور جہاد فی الدین کی
افضل ترین دونوں قسمیں تو آں حضرت ﷺ کے بعد حضرات شیخین کے ساتھ مخصوص تھیں ۔ پس حضرت علی کو شیر خدا (اسداللہ) کا لقب او رخطاب دنیا کسی بنیاد اور اصل پر مبنی نہیں ہے ان سے زیادہ اس لقب کے مستحق
وغیرہ ہیں ۔ حضرت ابو بکر و عمر ، طلحہ ، زبیر ، ابو دجانہ ، خالد بن ولید ، براء بن مالک ، حمزہ

کو اس لقب کے ساتھ نہ آں حضرت ﷺ نے ملقب فرمایا ہے ، نہ کسی خلیفہ راشد نے ، نہ دیگر صحابہ کرام یا تابعین عظام نے کے لیے یہ لقب شیعوں کا گھڑا ہوا ہے ۔ حضرت علی ہمارے نزدیک بلاشک و شبہ حضرت علی
کے کہ جبرئیل امین علیہ السلام نے ان کو یہ لقب عنائت فرمایا ہے ۔ جیسا کہ ابن ہشام کے حوالے سے اوپر گزر چکا ہے ۔ پس اگر حضرت حمزہ کو ''اسداللہ ،، کہا جائے ، اور نہ کسی صاحب سیرۃ و مغازی نے ، بخلاف حضرت حمزہ
تو بلا شبہ درست ہوگا ۔

: ، کی ماں فاطمہ بنت اسد نے حضرت علی کا نام دو وجہوں سے (اسد) کہا تھا ہاں حضرت علی

کے نانا کا نام اسد تھا ۔ حضرت علی (1)

عربوں کا دستور تھا کہ بطور تفاؤل اپنے بیٹوں کا نام اسد ۔ نمر ۔ فہد ۔ کلب ۔ حجر ۔ فہر وغیرہ رکھتے تھے ''قال مصعب بن الزبیر الزبیري : کانت فاطمۃ بنت أسد من ہاشم ، أول ہاشمیۃ ولدت من ہاشمی ، إلی أن قال . وکان اسم علی (2)
. : أسد ، ولذلک یقول

أنا الذي سمتنی أمی حیدرہ کلیت غابات کریۃ المنظرہ

(المستدرک للحاکم 3/108)

ماں کے تجویز کا نام ''اسد ،، ہونا اس شعر سے واضح ہے ۔ یہ شعر مسلم حدیث نمبر (1806)3 1432 ، طبری : 1579 ، زادالمعاد 3 321 ، کنزالعمال 5 275 میں موجود ہے ، لیکن حضرت علی حضرت علی

کردہ اورپسندیدہ نام کے بجائے ابوطالب کے تجویز کردہ نام علی کے ساتھ معروف ومشہور ہوگئے۔ علامہ ابن الجوزی فرماتے ہیں : ''مسئلة :إن قال قائل : قد سمعنا عن علی ،أنه قال : أنا الذي سمتني امی حیدرہ ولا لعلم أنه کان یدعی
بهذاالاسم ،الجواب : أنه لما ولد سمته امه فاطمة بنت اسد بن هاشم باسم ابیها أسد ، وسماہ ابوطالب علیا ، ، فغلب علیه ما سماہ الوطالب ، ذکرہ عبدالغنی الحافظ ، ، (تنقیح فهوأهل الاثرص : 377).

کےلیے سینوں میں بھی رواج لیکن شیعوں نے حضرت علی کی شجاعت وجرأت کے بے اصل وبے سروپا اور گھڑے ہوئے واقعات کی بناء پر ان کے بحیثیت اسداللہ کے ساتھ مشہور کردیا۔ اور آہستہ آہستہ یہ لقب حضرت علی پذیر ہوگیا۔ سینوں میں لقب کی حیثیت سے اس وصف کے معراج پانے کا سبب محبت اہل بیت میں غلو اور افراط ،اوران علماء کا اثر ورسوخ ہے جو تفصیلی تھے ،یا تشیع ورفض کے طرف میلان ورجحان رکھتے تھے۔ یا یہ تیجہ شیعوں سے قرب ومجاورت کا ، جیسے تعزیہ داری وغیرہ شیعوں کی ہمسائیگی کی وجہ سے سینوں میں ،اور بہت سے مشرکانہ رسم ورواج ،ہندوؤں کی مجاورت کی وجہ سے مسلمانوں میں رواج پذیر ہوگئے ہیں ،اسی طرح یہ بے بنیاد لقب میں رواج پاگیا۔ افسوس ہے کہ سینوں نے اس کی تحقیق وتفتیش کی ضرورت نہیں سمجھی اور آنکھ بید کرکے اختیار کرلیا۔

خطبہ جمعہ میں خلفائے راشدین کے تعظیمی القاب اوراہل بیت وحضرت عباس وحضرت حمزہ رضی اللہ عنہما دیگر عشرہ بشرہ کانام لیا جانا غالباً عہدی بنی عباس کی پیداوار ہے۔ جب سنی اور شیعہ کی تفریق مذہبی حیثیت سے نمایاں کی گئی اور خطبہ جمعہ میں حضرت علی کواسداللہ الغالب کے لقب سے ذکر کیےَ جانے زمانے کی تعیین افسوس ہے کہ نہیں ہوسکی۔

(محدث ج:8ش:10محرم1360ھ فروری1941ء)

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب

[فتاویٰ شیخ الحدیث مبارکپوری](#)

جلد نمبر 1

صفحہ نمبر 65

محدث فتویٰ